An International Journal of ISLAMIC AND SOCIAL SCIENCES

ISLAMICUS

PAKISTAN ISLAMICUS

(An International Journal of Islamic and Social Sciences)

Volume: 04, Issue: 02, April–June 2024, Pages: 13-38

**Journal Website:** https://pakistanislamicus.com/index.php/home

**Publisher Website:** https://www.mircpk.net

MUSLIM INTELLECTUALS Research Center Multan-Pakistan

HEC "Y" Category

HJRS HEC Journal Recognition System

# سیرت نویسی میں قاضی عبدالدائم کے اختیارات: ایک تحقیقی مطالعہ

# QAZI ABDUL DAIM'S CHOICES IN SIRAH WRITING: AN EXPLORATORY STUDY

Rukhsana Tabassam[1], Dr Faridah Yousuf[2].

[1]PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University Multan, Punjab, Pakistan.
[2]Associate Professor, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University Multan, Punjab, Pakistan.

## ARTICLE INFO

***Article History:***

| | |
|---|---|
| Received: | March 01, 2024 |
| Revised: | March 28, 2024 |
| Accepted: | March 31, 2024 |
| Available Online: | April 02, 2024 |

***Keywords:***

Prophet, Muhammad (PBUH)
Sirah
Qazi
Adbul Daim
History

***Funding:***

This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

***Copyrights:***

CC BY

Copyright Muslim Intellectuals Research Center. All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

## ABSTRACT

Prophet Muhammad (PBUH) has been mentioned in the Holy Quran as a role model for all mankind. Therefore, every aspect of his biography needed to be preserved. So, just as the Muslims collected the Holy Qur'an with full authenticity, in the same way, they also preserved the hadiths and biographies of the Holy Prophet (PBUH). This task of protecting the hadith and Sunan was done with great zeal. Still, when the stage of the Holy Prophet (PBUH) biography came to be written in historical and chronological order, the standard of caution could not be maintained. Here, we feel the difference between "Muhadiseen" and "Muarrikheen" in terms of the quality of literature. The effects of this difference can be seen in several places in Muslim literature. Some of such influences are found in the books of *"Sirah"* because the differences in narration have always influenced the ultimate opinion of every Sirah writer. Authentic, approved, weak, and fabricated narrations are found to be contrary and contradictory to each other. Therefore, differences are also found in the traditions related to the characteristics of Prophet Muhammad (PBUH) apart from his life at Makkah and Madinah. When any biographer sees the difference or diversity of these traditions, he is supposed to choose or prefer one of them through the application of particular logic or preference based on an unambiguous principle. The position has to be adopted by every biographer of the Holy Prophet (PBUH). *Qazi Abdul Daim*, the writer of the presidential award-winning book "Sayyed-ul-Waraa," has adopted both approaches in his book. In this article, he has been taken into consideration in this regard.

Corresponding Author's Email: tabassumrukhsana9@gmail.com

## تعارف

نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔[1] اس لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی سیرت و سوانح کا ہر گوشہ محفوظ رکھا جاتا۔ چنانچہ جس طرح مسلمانوں نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد اس کی تدوین کی باریکیوں کو ملحوظ رکھا اسی طرح مسلمانوں نے آپ ﷺ کی احادیث اور سنن کو بھی محفوظ کر لیا تھا۔ احادیث و سنن کی حفاظت کا یہ کام انتہائی جانفشانی کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو تاریخی ترتیب اور

واقعاتی نظم کے ساتھ لکھنے کا مرحلہ آیا تو اس میں احتیاط کا وہ معیار قائم نہیں رکھا جا سکا جو احادیث و سنن کے ضمن میں رکھا گیا تھا۔ یہاں ہمیں محدثین اور سیرت نگاروں کے درمیان صحتِ واقعات کے حوالے سے فرق محسوس ہوتا ہے اور اس فرق کے اثرات کتبِ سیرت کے متعدد مقامات پر نظر آتے ہیں۔ ان اثرات میں سے حصہ ان واقعات پر ملتا ہے جن کے بارے میں مختلف روایات کو کتبِ تواریخ میں سمویا جا چکا ہے۔ حافظ زین الدین عراقی اسی لیے سیرت کے ہر طالب علم کو باور کراتے ہیں کہ سیرت نویسی میں صحیح اور قابل انکار، ہر قسم کی روایات نقل کر دی جاتی ہیں۔[2]

یہ اختلاف نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی کے علاوہ آپ ﷺ کے خصائل و شمائل سے متعلقہ روایات میں بھی پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی سیرت نگار جب ان روایات کے اختلاف یا تنوع کو دیکھتا ہے تو اس کو تطبیق یا ترجیح کے ذریعے کسی ایک مؤقف کو اپنانا پڑتا ہے۔ مقالہ ہذا میں اسی کو "سیرت نویسی کے اختیارات" کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور قاضی عبدالدائم کی سیرت نویسی میں موجود اختیارات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

## روایاتِ سیرت کے اختلاف سے متعلق قاضی عبدالدائم کا مؤقف

قاضی عبدالدائم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب بعض پہلو اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہیں۔ اس لیے وہ ان اختلافات کو علمی اختلاف کا درجہ دیتے ہیں۔ کسی علمی اختلاف کی بنا پر وہ کسی پر سخت فتویٰ عائد نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا مؤقف ہے کہ سیرت نویسی کے میدان میں زیادہ سے زیادہ یہ توسیع کی جا سکتی ہے کہ معجزات میں صحیح کے علاوہ ضعیف حدیثیں بھی تسلیم کر لی جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک فضائل و مناقب میں ضعیف احادیث قابل قبول ہوتی ہیں۔ البتہ جعلی، من گھڑت اور سر بسر بے سند و بے اصل روایات قابل استدلال نہیں ہوتی ہیں۔ قاضی صاحب خود ہی سوال کھڑا کرتے ہیں کہ اگر موضوع روایات ایسی ہی مردود اور ناقابل اعتبار تھیں تو کلاسیکی عہد کے سیرت نگاروں نے کیسے قبول کر لیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن علماء نے ان روایات سے استدلال کیا ہے وہ بلاشبہ آسمانِ علم وفضل کے تابندہ ستارے ہیں مگر ان روایات کو انہوں نے محض جذبہ محبت کی بناء پر قبول کیا ہے اور اس مبارک جذبے کے تحت جو بھی علمی کام کیا جائے، اس پر یقیناً بے بہا اجر و ثواب ملے گا لیکن جذبات عشق و محبت ظاہر کرنے کے انداز اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی باور کرتے ہیں کہ محبت ہی کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ محبوب کی طرف منسوب ہر چیز کا پوری باریک بینی سے جائزہ لیا جائے اور صرف انہی چیزوں کو قبول کیا جائے جن کا ثبوت قابل اعتماد ذرائع سے مل جائے کیونکہ اس جامع الکمالات محبوب کی شان اس سے بہت عالی و برتر ہے کہ اس کے فضائل ثابت کرنے کے لئے بے ثبوت سہارے تلاش کئے جائیں۔۔۔ غرضیکہ ارباب عشق و محبت کے یہ دونوں انداز شروع سے چلے آتے ہیں۔ کوئی ہر حال میں تساہل اختیار کرتے ہیں، کوئی ہر صورت میں شدت اپناتے ہیں اور کوئی بعض مسائل میں تساہل کر لیتے ہیں اور بعض میں شدت۔ طریقے اپنے اپنے ہیں مگر جذبہ ایک ہی ہے، یعنی حُب رسول، اس لئے ہر ایک کو اس کے حسن نیت کی وجہ

سے بارگاہ رب العزت سے صلہ ملتا ہے۔"[3]

چنانچہ سید الوریٰ میں قاضی صاحب اگر کسی واقعہ سے متعلق ملنے والی روایات میں تنوع اور اختلاف ہو تو اس صورت میں قاضی عبد الدائم تمام روایات کا ذکر کرنے کے بعد منطقی انداز میں ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تطبیق دینا ممکن نہ ہو تو کسی ایک روایت کو باقی روایات پر ترجیح دیتے ہیں۔ مقالہ کے اگلے حصے میں اس کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

## پہلی مثال: جناب عبد المطلب کی اولاد کی تعداد

جناب عبد المطلب کے بیٹوں کی حتمی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ:

- ابن ہشام کی پیش کردہ روایات کے مطابق جناب عبد المطلب نے پانچ شادیاں کیں جن سے ان کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔[4]
- ابن سعد اور بلاذری کے مطابق ان کے بارہ بیٹے تھے۔[5]
- علامہ سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جان دو عالم ﷺ کے چچاؤں کی تعداد بارہ ہے اور تیرھویں آپ ﷺ کے والد ماجد عبد اللہ ہیں۔[6]

## قاضی عبد الدائم کا موقف

قاضی صاحب ان علماء کے قول کو مستحکم قرار دیتے ہیں جنہوں نے تیرہ بیٹوں کا دعویٰ کیا ہے۔ اس تائید کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کرتے ہیں:

1. ایک طرف تو یہ ضروری ہے کہ ذبحِ عبد اللہ کے وقت عبد المطلب کے دس بیٹے ہوں کیونکہ انھوں نے نذر ہی یہ مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے تو ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ اس لیے جب تک آپ کے بیٹوں کی تعداد دس تک نہ پہنچ جائے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذر پوری کرنے کا مطالبہ ناقابل فہم ہے۔
2. دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ حمزہ اور عباس واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں کیونکہ حمزہ کی والدہ کا نام ہالہ ہے اور ہالہ کے ساتھ عبد المطلب کی شادی ہی اس واقعہ کے بعد ہوئی ہے۔ رہے عباس تو وہ حمزہ سے بھی چھوٹے ہیں اور ذبحِ عبد اللہ کے وقت جب حمزہ کا موجود ہونا ہی ناممکن ہے تو ان سے بھی چھوٹے عباس کا موجود ہونا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟
3. علاوہ ازیں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ واقعہ ذبح کے وقت موجود بیٹوں میں عبد اللہ سب سے چھوٹے تھے لیکن اگر حمزہ و عباس کو اس وقت موجود مانا جائے تو یہ بات غلط ہو جاتی ہے کیونکہ عبد اللہ، حمزہ و عباس سے بالاتفاق بڑے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ہمیں ان علماء کی رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے جو عبد

المطلب کے تیرہ بیٹے قرار دیتے ہیں، جن میں سے دس یا گیارہ، واقعہ ذبح کے وقت موجود تھے اور حمزہ و عباس بعد میں پیدا ہوئے اور اس وقت موجود بیٹوں میں عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ واللہ اعلم۔"[7]

## دوسری مثال: سیدہ آمنہ کے سفرِ یثرب کا مقصد

اختلافِ روایات کی ایک مثال اس مقام پر بھی ملتی ہے جہاں سیدہ آمنہ کے سفرِ یثرب کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ:

- بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ سیدہ آمنہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر آپ ﷺ کے دادا کے ننھیال بنو عدی بن نجار کے پاس گئی تھیں۔ بنو عدی بن نجار جناب عبدالمطلب کے ننھیال تھے کیونکہ ہاشم بن عبد مناف نے مدینہ میں سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کر رکھی تھی اور ان کا تعلق قبیلہ نجار کے ساتھ تھا۔ ان سلمیٰ کے بطن سے عبدالمطلب کا جنم ہوا تھا۔[8]
- دوسرا مؤقف یہ ہے کہ بی بی آمنہ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کے ماموں بنی عدی بن النجار کے ہاں گئیں اور واپسی پر مکہ اور مدینہ کے مابین مقام ابواء پر وفات پا گئیں۔[9]
- پہلے مؤقف کے بارے میں مولانا شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیادت کے لیے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔[10]

## قاضی عبدالدائم کا مؤقف

قاضی عبدالدائم بھی اس ضمن میں شش و پنج کا شکار نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق محض اپنے بچے کے دادا کے ننھیال سے ملنے کے لیے سینکڑوں کلومیٹر کا طویل سفر کرنا اچنبھے کی بات ہے۔ لہذا انھوں نے اس ضمن میں سابقہ مؤرخین کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور اپنے اختلاف کو مولانا شبلی نعمانی کی رائے کے ذریعے تقویت دی ہے۔ اسی لیے انھوں نے لکھا ہے کہ "ہمیں جناب شبلی کی اس رائے سے مکمل اتفاق ہے۔"[11]

## تیسری مثال: واقعہ شق صدر

شق صدر کا واقعہ مسلمان مؤرخین اور سیرت نگاروں کے ہاں ہی نہیں بلکہ محدثین کے ہاں بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس واقعہ کے پیش آنے کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ:

- ابن ہشام کے مطابق دو برس تھی۔[12]
- ابن سعد کے مطابق چار برس تھی۔[13]

- ابو نعیم اصبہانی کے مطابق بھی چار برس تھی۔[14]
- بعض سیرت نگاروں کے مطابق پانچ برس تھی۔[15]
- امام احمد بن حنبل کے مطابق دس برس سے اوپر تھی۔[16]
- امام ذہبی کا موقف ہے کہ شق صدر کا واقعہ صرف دو مرتبہ پیش آیا تھا۔ پہلی مرتبہ بچپن میں اور دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر یہ مرحلہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آیا تھا۔[17]
- ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پہلی مرتبہ چار برس کی عمر میں، دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں اور تیسری مرتبہ معراج کے موقع پر شق صدر ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق بعض مؤرخین نے چوتھی مرتبہ بھی شق صدر کا واقعہ پیش کیا ہے۔[18]

## قاضی عبد الدائم کا موقف

قاضی عبد الدائم نے روایات کے اس اختلاف کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے اور انھوں نے بچپن کے وقت نبی اکرم ﷺ کے شق صدر کے واقعہ کو ایک دوسری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کی تحریر کے دوران اپنے استعجاب اور حیرت کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اجنبیوں نے بچوں کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے جان دو عالم ﷺ کو زمین پر لٹایا۔۔۔ ان (بچوں) نے کہا کہ اگر آپ نے بہر حال قتل کرنا ہی ہے تو ایسا کیجیے کہ اس کو چھوڑ دیجیے اور اس کے بدلے میں ہم میں سے جس کو آپ کا جی چاہے، مار ڈالیے۔"[19]

اس کے بعد حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

> "اللہ غنی۔۔۔ تماشا گاہ عالم میں کیا کیا مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔۔۔ کبھی حقیقی بھائی "برادران یوسف" کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی رضاعی بھائی اور ساتھ والے دوست اپنی معصوم جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو بے تاب نظر آتے ہیں۔ وللہ فی خلقہ شیون۔"[20]

جہاں تک اس واقعہ کی تفصیلات کا تعلق ہے تو وہ قاضی صاحب نے سید الوری میں مختلف مآخذ کی روشنی میں بیان کر دی ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیلات کے ضمن میں مؤرخین کے ہاں تنوع پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

- ابن کثیر اور ابو نعیم اصفہانی کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے خود فرمایا کہ "اچانک دو سفید پرندے اڑتے ہوئے نظر آئے۔ ان کی شکلیں گدھ جیسی تھیں۔ وہ سیدھے میری طرف آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ہاں۔ انھوں نے مجھے پکڑا اور چت لٹا دیا۔ پھر میرا پیٹ چیرا۔۔۔ الخ۔[21]
- امام مسلم کے مطابق جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا۔۔۔ الخ۔[22]

قاضی عبدالدائم نے اس ضمن میں ان روایات پر اعتماد کیا ہے جن کے مطابق تین اجنبی اشخاص پہاڑ کے دامن سے نکلے اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کا سینہ چاک کیا اور۔۔۔۔الخ۔[23]

## چوتھی مثال: نبوت سے سرفراز ہونے کا وقت

سیرت النبی ﷺ کے ضمن میں یہ سوال زیر بحث رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو نبوت کب ودیعت فرمائی گئی تھی۔ علماء کی ایک جماعت کا مؤقف ہے کہ آپ ﷺ پیدائشی نبی تھی۔ ان کے مطابق عالم ارواح میں انبیاء کرام سے نبی اکرم ﷺ کی آمد کے بعد ان کی پیروی کا وہ عہد جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس کی دلیل ہے۔[24] علماء کے دوسرے گروہ کا مؤقف ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا فرمائی تھی۔ اس سے قبل آپ ﷺ محمد بن عبداللہ تھے اور پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔[25]

## قاضی عبدالدائم کا مؤقف

اس ضمن میں قاضی عبدالدائم کا موقف ہے کہ آپ ﷺ شروع سے ہی نبی تھی البتہ آپ ﷺ کی بعثت عمر کے چالیسویں برس ہوئی تھی۔ اس ضمن میں انھوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اس کے مطابق صحابہ کرام نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کب عطا فرمائی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ:

" وآدم بین الروح ولاجسد"

اس وقت جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔[26]

قاضی صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اس حدیث کو بعض لوگ یوں بیان کرتے ہیں "کنت نبیا وادم بین الماء والطین"[27] لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔"[28]

## پانچویں مثال: پہلی وحی حالت خواب میں یا بیداری میں

نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی حالت خواب میں آئی یا حالتِ بیداری میں؟ اس کے جواب سے قبل یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہی ہوتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ہی اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کو خواب میں ہی مدینہ منورہ میں ہجرت کا حکم دیا گیا تھا۔ معروف تابعی علقمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء کو نیند کے عالم میں وحی کی جاتی تھی۔ جب ان کے دل مانوس ہو جاتے تھے تو پھر حالت بیداری میں بھی ان پر وحی کا نزول ہونے لگتا تھا۔[29]

خود نبی اکرم ﷺ پر بھی وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ آپ ﷺ خواب میں جو کچھ دیکھتے تھے وہ اگلے دن سچ ہو جاتا تھا۔[30] چونکہ آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اس لیے آپ ﷺ کے بعد نبوت کی بشارات میں سے اب صرف سچے خواب باقی ہیں۔[31] یہ سچے خواب ہی نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔[32] اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ نبوت کے تئیس برس کے دورانیے میں پہلے چھ ماہ کے دوران وحی سچے خوابوں پر مشتمل تھی۔ اس طرح یہ کل دورانیہ کا چھیالیسواں حصہ بن جاتا ہے۔[33]

## قاضی عبدالدائم کا موقف

قاضی عبدالدائم اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وحی کا پہلی دفعہ نزول ایک بار گراں سے کم نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے یہی منظر آپ ﷺ کو پہلے خواب میں بھی دکھایا تھا۔ اس کے بعد حالت بیداری میں ان کی طرف وحی نازل کی گئی تھی۔ عموما سیرت نگار خواب والی روایت کو بیان نہیں کرتے ہیں اس لیے قاضی عبدالدائم نے اس روایت کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "یہ سارا واقعہ تو عالم بیداری کا ہے لیکن اس سے پہلے یہ منظر آپ ﷺ کو خواب میں بھی دکھایا گیا تھا تاکہ جبریل امین کے اچانک سامنے آجانے سے آپ ﷺ کو کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہو۔[34] چنانچہ متعدد روایات[35] میں آپ ﷺ کا یہ بیان مذکور ہے کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں جبریل امین کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں اقراء۔۔۔"[36]

## چھٹی مثال: ورقہ بن نوفل یا عداس

پہلی وحی کے بعد نبی اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لے گئے تھے جنہوں نے گھبراہٹ اور خوف کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کو دلاسا دیا تھا۔ اس کے بعد اگلے مرحلہ میں کیا ہوا؟ اس بارے میں مورخین نے دو الگ الگ نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں۔ چنانچہ:

- سیرت کی اکثر کتب میں ہے کہ وحی کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حضرت خدیجہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی تھیں۔[37]
- ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو حضرت ابو بکر صدیق کے ہمراہ ورقہ بن بوفل کے پاس بھیجا تھا۔[38]

## قاضی عبدالدائم کا موقف

قاضی عبدالدائم یہاں ایک اور پہلو کا ذکر بھی کرتے ہیں جس کے مطابق خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو پہلے ایک نصرانی عالم عداس کے پاس بھی لے کر گئی تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ جبرائیل کون ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ جبرائیل ایک فرشتے کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی لے کر آتا تھا۔[39]

## ساتویں مثال: ایمانِ ابو طالب

نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے ایمان کے بارے میں مسلمان علماء میں اختلاف ہے۔ان میں سے بعض ان کے ایمان کے قائل ہیں جب کہ زیادہ تر علماء کا مؤقف ہے کہ ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

- ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق جناب ابو طالب نے اپنے اسلام لانے کے بارے میں نبی ﷺ کی خواہش کو دیکھا تو کہا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں تمہیں خوش کرنے کے لیے یہ کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔[40] چنانچہ انھوں نے بوقت وفات یہی الفاظ بولے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔[41]
- اسی لیے حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر نے ان تمام روایات کی تردید کی ہے جن میں ابو طالب کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے۔[42]
- جناب ابو طالب کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع کی کہ آپ ﷺ کے بوڑھے گمراہ چچا فوت ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ جاؤ اور اپنے والد کو زمین میں دفنا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو دفنا کر آئے۔[43]
- حضرت عباس بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے چچا زندگی بھر آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے اور لوگوں پر غضب ناک ہوتے رہے۔ یہ عمل ان کے کس کام آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس عمل کی وجہ سے جہنم کی اوپر والی جگہ پر ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔[44] اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو گا، انھوں نے دو جوتے پہن رکھے ہوں گے جن کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہو گا۔[45]

## قاضی عبدالدائم کا مؤقف

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ان کے علاوہ بعض روایات کے مطابق جناب ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیا تھا اور آپ ﷺ کی منقبت میں قصائد بھی پیش کیے تھے لیکن ان روایات کی صحت اور معیار مذکورہ روایات کے مقابلے میں کمزور ہے۔اسی لیے قاضی عبدالدائم کا مؤقف ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ قاضی صاحب اس ضمن میں قائلین میں سے قاضی احمد زینی دحلان کی کتاب "**اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب**" اور محمد برخوردار محشی شرح عقائد کی کتاب "**القول الجلی فی نجاۃ عم النبی**" کا ذکر کرتے ہیں۔اس کے بعد کفرِ ابو طالب سے متعلق مولانا احمد رضا خان بریلوی کی "**شرح المطالب فی مبحث ابی طالب**" کا ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے پیش کرتے ہیں کہ:

- "جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو کفر ابو طالب پر بخاری و مسلم اور حدیث کی دیگر کتابوں میں کئی روایات موجود ہیں جو سند کے اعتبار سے بہت قوی اور

مضبوط ہیں۔ جب کہ ایمان ابو طالب پر اولا تو روایات ہی کم ہیں اور جو چند روایات پائی جاتی ہیں وہ بھی بلحاظ سند خاصی کمزور ہیں۔ بخاری و مسلم کی مستند روایات کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

- اس لیے محدثانہ نقطہ نظر سے ایمان ابو طالب ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ البتہ ابو طالب کے ان قصائد سے جو انھوں نے جان دو عالم ﷺ کی مدح و نعت میں لکھے، ان کا مؤمن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (اس کے بعد جناب ابو طالب کی جانب منسوب ایسے قصائد بیان کیے ہیں جن میں نبی ﷺ کو نبی اور رسول تسلیم کیا گیا ہے)۔
- جب جان دو عالم کو موسیٰ کی طرح نبی مان لیا، سردار مان لیا، شریف، رشید اور مؤید مان لیا اور ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ مان لیا تو پھر باقی کیا رہ گیا؟ ان قصائد کے علاوہ ابو طالب نے آخری وقت جو وصیت کی تھی۔۔۔ اس وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب نہ یہ کہ خود مؤمن تھے بلکہ دوسروں کو بھی اتباع مصطفیٰ اور اعانتِ مصطفیٰ ﷺ کی تلقین کرنے والے تھے لیکن یہ وصیت بھی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔"[46]

اس کے بعد قاضی صاحب اپنا فیصلہ بیان کرتے ہیں کہ:

> "ہمارا مقصد ابو طالب کو مومن ثابت کرنا نہیں، ہم نے تصویر کے دونوں رخ پوری غیر جانب داری سے قارئین کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ہماری رائے میں اس مقام پر سکوت کرنا ہی اچھا ہے۔۔۔۔ علامہ شبلی کی یہ بات آدمی کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔۔۔ یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟"[47]

اس مقام پر وہ جمہور اہل علم کی جانب سے شبلی کی رائے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "مگر جو اہل علم ان کے ایمان نہ لانے کے قائل ہیں وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ابو طالب کی جاں نثاریاں ضائع تو نہیں گئیں بلکہ ان کے عوض ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہو گئی اور صحیح حدیث کے مطابق وہ اہل جہنم میں سب سے کم عذاب والے ہوں گے۔ البتہ عذاب سے نجات صرف ایمان کی صورت میں ہو سکتی ہے۔"[48]

## آٹھویں مثال: قبا میں نبی اکرم ﷺ کے قیام کی مدت

ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے راستے میں سب سے پہلے مسجد قبا تعمیر فرمائی تھی۔ قبا میں آپ ﷺ نے کتنا عرصہ قیام فرمایا؟ اس ضمن میں روایات میں اختلاف ہے۔ چنانچہ:

- ابن اسحاق کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے تین دن اور تین راتیں قبا میں قیام فرمایا تھا۔[49]
- جب کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے قبا میں چودہ دن قیام فرمایا تھا۔[50]

قاضی عبدالدائم اس اختلاف کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ :

"اگرچہ سند کے لحاظ سے بخاری کی روایت زیادہ صحیح مانی جاتی ہے لیکن تاریخی واقعات کے اعتبار سے یہ بات ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قبا میں تشریف آوری کی تاریخ میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ آپ کی آمد سوموار کے دن ہوئی اور مدینہ کی طرف روانگی جمعہ کے دن ۔۔۔ اور سوموار سے جمعہ تک کسی طرح بھی چودہ دن نہیں بنتے، خواہ پہلا جمعہ لیا جائے یا دوسرا۔ علاوہ ازیں بخاری ہی کی ایک اور روایت میں مدت قیام چوبیس دن بتائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ چودہ اور چوبیس میں خاصا فرق ہے اور دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ہے۔ اس بناء پر اکثر مورخین نے مدت قیام وہی بتائی ہے جو ہم نے متن میں لکھی ہے اور وہی صحیح ہے۔ [51]

چنانچہ قاضی صاحب نے قبا میں نبی اکرم ﷺ کے قیام سے متعلق تین دن والے مؤقف کو اختیار کیا ہے۔

## نویں مثال: تحویل قبلہ

مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مسلمان سکونت اختیار کر چکے تو شروع میں انھوں نے کچھ عرصہ بیت المقدس کی کو قبلہ کے طور پر اختیار کیا اور اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی آرزو تھی کہ خانہ کعبہ کو ان کا قبلہ بنا دیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصے بعد حکم نازل فرما کر مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ کر بنا دیا تھا۔ [52]

اس حکم کے نزول کے وقت نبی اکرم ﷺ کس مقام پر تشریف فرما تھے؟ جب یہ حکم نازل ہوا اس وقت کون سی نماز کا وقت تھا؟ اس سلسلے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے قاضی عبدالدائم نے "سید الوریٰ" میں ایک تحقیقی مبحث کو شامل کیا ہے۔

مقالہ نگار کے مطابق روایات کے اختلاف کو رفع کرنے کے لیے قاضی صاحب نے سید الوریٰ میں سب سے طویل بحث اسی موضوع پر کی ہے۔ اس ضمن میں روایات میں اختلاف ہے کہ :

- سنن نسائی کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم نماز ظہر سے قبل دیا گیا تھا۔ [53]
- صحیحین کے مطابق حکمِ تحویل قبلہ نماز عصر کے دوران دیا گیا اور اس نماز کے دوران ہی مسلمانوں نے رخ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف موڑ لیا۔ [54]

## قاضی عبدالدائم کا مؤقف

قاضی صاحب کا مؤقف ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم نہ تو نماز کے دوران ہوا تھا اور نہ ہی وہ روایات درست ہیں جن کے مطابق آپ ﷺ نے عصر کے وقت حالت نماز میں اپنا رخ تبدیل کیا تھا۔ نیز قاضی صاحب کے مطابق یہ ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ انھوں نے وضاحت کی ہے کہ :

- واقدی کی روایت کے مطابق وہ ظہر کی نماز تھی اور نبی اکرم ﷺ بنو سلمہ کی مسجد میں تھے۔[55]
- امام نسائی نے بھی ظہر کی نماز روایت کی ہے۔[56]
- صحیح بخاری کی روایت کے مطابق وہ عصر کی نماز تھی۔[57]

علماء نے ان روایات میں تطبیق یوں دی ہے کہ حکم کا نزول ظہر کی نماز کے دوران ہوا تھا لیکن وہ آدھی بیت المقدس کی طرف اور باقی آدھی کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کی گئی تھی جب کہ عصر کی نماز مکمل طور پر کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے ادا کی گئی تھی اس لیے دونوں روایات درست ہیں۔

قاضی صاحب نہ تو ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے مطابق علماء کی پیش کردہ مذکورہ تطبیق قابل قبول ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قبلہ کی تبدیلی حالت نماز میں یہ وحی نازل نہیں ہوئی تھی کیونکہ نبی اکرم ﷺ تحویل قبلہ کے حکم کا کئی دن سے انتظار فرما رہے تھے اور بار بار اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا رہے تھے۔ پھر ایسی کیا ایمرجنسی پیش آگئی تھی کہ عین حالت نماز میں وحی اتارنی پڑ گئی؟ ان کے مطابق حالت نماز میں وحی کے ذریعے اس حکم کا نزول خاصا بعید از امکان ہے۔ کیونکہ وحی کے وقت آپ ﷺ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ عمومی حالت سے یکسر مختلف ہوتی تھی جس کی وجہ سے پاس بیٹھے والے فوراً محسوس کر لیتے تھے کہ اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس دوران آپ ﷺ دنیا اور مادی عالم سے ایک گونہ منقطع ہو جاتے تھے اور عالم قدس کے ساتھ ہمہ تن مربوط ہو جاتے تھے۔ ظاہر ہے نماز باجماعت کے اندر ایسی کیفیت کا طاری ہو جانا بعید از فہم ہے۔ اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو صحابہ کرام ضرور بیان کرتے کہ فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں مقام پر عین نماز کے اندر آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا تھا اور نماز کے بعد آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا کہ دوران نماز مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے تو پھر صرف تحویل قبلہ کے لیے یہ تخصیص کیوں؟[58]

اس امکان کی نفی کے ضمن میں قاضی صاحب ایک اور توجیہ پیش کرتے ہیں جس کے مطابق اگر حالت نماز میں وحی نازل ہوتی اور آپ ﷺ اسی وقت اپنا چہرہ کعبہ کی طرف موڑ لیتے تو اس طرح امام پیچھے ہو جائے گا اور مقتدی آگے۔ یقیناً یہ ایک اُلٹی اور انوکھی امامت ہو گی۔ بصورت دیگر امام کو شمال سے جنوب کی سمت جانا پڑے گا، تو کیا وہ صفوں کو درمیان سے چیرتا ہوا دوسری طرف جائے گا یا پہلی صف کے آگے سے گھوم کر صفوں کے کنارے کنارے چلتا ہوا عورتوں کی آخری صف سے بھی پیچھے جا کر کھڑا ہو گا۔

قاضی عبدالدائم کے مطابق امام تو جو طریقہ مناسب سمجھے گا اختیار کر لے گا مگر ایسی حالت میں مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام یہ سارے کام نماز کے اندر کر رہا ہے؟ خصوصاً اس صورت میں، جب ان کو معلوم ہی نہ ہو کہ امام کدھر جانا چاہتا ہے اور کیوں جانا چاہتا ہے۔ وہ تو یہی سمجھیں گے کہ امام نے کسی وجہ سے نماز توڑ دی ہے اور اب کسی نہ کسی طرح مسجد سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ بھی اپنی اقتداء ختم کر دیں گے اور نماز توڑ کر حیرت سے

امام کی حرکات وسکنات کو دیکھنے لگیں گے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر بالفرض مقتدی کسی نا قابل یقین طریقے سے آخر تک اقتداء برقرار رکھنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اس کے لئے ضروری ہو گا کہ مرد عورتوں کی جگہ جائیں اور عورتیں مردوں کی جگہ۔ درمیان میں بچوں کو بھی کہیں نہ کہیں ایڈجسٹ کرنا پڑے گا۔۔اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ ساری ہلچل اور چلت پھرت نماز کے اندر ہو رہی ہو گی۔ سبحان اللہ! نماز نہ ہوئی پُتلی تماشا ہو گیا!!

جب مذکورہ تمام امکانات کی نفی ہو جائے تو پھر ایک ہی راستہ باقی بچتا ہے۔اس پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ وحی کا نزول نماز سے کافی پہلے ہو چکا ہو گا۔اس کے بعد نبی اکرم میں نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ان آیات کی تلاوت فرمائی ہو گی اور لوگوں کو اس اہم حکم کی توضیح وتفصیل بتائی ہو گی، پھر معمول سابق کے برعکس بالکل مخالف سمت میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے ہوں گے اور آپ کے پیچھے نہایت سکون واطمینان سے پہلے مردوں، پھر بچوں اور آخر میں عورتوں نے صفیں بنا کر ظہر کی نماز ادا کی ہو گی۔ [59]

قاضی صاحب کے مطابق عقلی وجوہ کے علاوہ محدثانہ نقطۂ نظر سے بھی نسائی کی روایت ہی قابل ترجیح ہے کیونکہ امام نسائی علمِ حدیث میں ابن سعد سے بڑے محدث ہیں اور سنن نسائی کا شمار کتبِ حدیث میں طبقات الکبریٰ سے زیادہ مستند کتابوں میں ہوتا ہے۔ پھر ابن سعد نے تحویل قبلہ والا واقعہ بشر کی والدہ والا واقعہ "یُقَالُ" (کہا جاتا ہے) کے صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [60]

اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کا حضرت بشر کی والدہ سے ملاقات کے لئے جانا اور مسجد بنی سلمہ میں نماز پڑھانا اور عین نماز کے اندر وحی کا اُترنا اور جان دو عالم ﷺ کا چل کر دوسری طرف جانا اور مردوں کا عورتوں کی جگہ اور عورتوں کا مردوں کی جگہ منتقل ہونا، قاضی صاحب کے مطابق:

"چند راویوں کا تیار کردہ فسانہ عجائب ہے جو نہ عقلاً درست ہے، نہ ہی نقلاً قابل قبول ہے۔" [61]

لہذا قاضی عبدالدائم کے مطابق بخاری کی صلاۃ العصر والی روایت کی جو توجیہ بعض محدثین نے بیان کی ہے، وہ درست نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اس سے پہلے جو ظہر کی نماز پڑھی گئی تھی، وہ آدھی بیت المقدس اور آدھی کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی تھی۔ حالانکہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا تھا؛ بلکہ حکم تحویل نماز سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور وہ نماز پوری کی پوری کعبہ کی جانب رخ کر کے ادا کی گئی تھی۔ اندریں صورت کہا جا سکتا ہے کہ صلوۃ العصر میں "عصر" کا لفظ کسی راوی کی بھول چوک ہے اور صحیح صلوۃ الظہر ہے۔ یعنی حکم تحویل کے بعد سب سے پہلی نماز جو آپ نے ادا فرمائی، وہ ظہر کی تھی۔ لیکن اس میں یہ الجھن ہے کہ صلوۃ العصر میں امام بخاری منفرد نہیں ہیں؛ بلکہ ترمذی کی روایت میں بھی صلوۃ العصر ہی مذکور ہے۔

آخر میں قاضی صاحب اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اگر کثرت روایات کی بناپر صلوۃ العصر کو ترجیح دی جائے تو پھر یہ کہناپڑے گا کہ سنن نسائی میں جو نماز ظہر کا ذکر ہے، وہ کسی راوی کا اشتباہ یا تساہل ہے اور منبر سے اتر کر جان دو عالم ﷺ نے جو نماز پڑھائی تھی، وہ در حقیقت ظہر کی نہیں؛ بلکہ عصر کی تھی۔ بہر حال نماز ظہر کی ہو یا عصر کی، حکم تحویل اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور وہ پوری نماز کعبہ کے رخ پر پڑھی گئی تھی۔"[62]

معروف روایت کے مطابق تحویل قبلہ کے بعد ایک شخص قبا کے پاس سے گزرا جہاں مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت مسجد میں نمازِ عصر میں مصروف تھی۔ ان کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس شخص نے بلند آواز سے تحویل قبلہ کے حکم کے نزول کی خبر دی تو لوگوں نے نماز کی حالت میں رخ بدل لیا تھا۔[63] قاضی عبدالدائم کے مطابق:

"واضح رہے کہ یہ چھوٹی سی مسجد تھی اور زیادہ تر لوگ چونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے اس لیے اُس مسجد میں گنے چنے چند نمازی ہوں گے، اتنی مختصر سی جماعت کے مخالف سمت میں منہ پھیر لینے سے وہ الجھنیں پیدا نہیں ہوتیں جو مردوں، بچوں اور عورتوں کی کثیر تعداد کے رخ بدلنے سے پیش آتی ہیں۔"[64]

## دسویں مثال: ثمامہ بن اثال کی گرفتاری

صحیح بخاری کی روایات کے مطابق یمامہ کے گورنر ثمامہ بن اثال کو مسلمانوں کے ایک فوجی دستہ نے راستے میں کسی جگہ گرفتار کیا تھا۔[65] اس ضمن میں کوئی اختلاف روایت موجود نہیں ہے جس کا صحیح بخاری کی روایت کے ساتھ تقابل کیا جاسکے لیکن اس کے باوجود قاضی عبدالدائم اس واقعہ سے اتفاق نہیں کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ثمامہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے مدینہ میں داخل ہوا تھا لیکن وہ آپ ﷺ سے ناواقفیت کی وجہ مدینہ کی گلیوں میں بھٹکنے لگا۔ صحابہ کرام کو اس پر شبہ ہوا اور اس کو پکڑ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دو۔ قاضی صاحب اس ضمن میں بیہقی کی روایت میں اپنا مؤقف قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مورخین کا خیال ہے کہ اس کو گرفتار کرنے والا رسالہ وہی تھا جو محمد ﷺ کی کمان میں قرطاء پر حملے کے لیے گیا تھا۔ واپسی میں ثمامہ ان کے ہاتھ لگ گیا جو در حقیقت عمرہ کرنے جارہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور ساتھ لے آئے۔ ہمارے خیال میں یہ روایات ابہام سے خالی نہیں ہیں کیونکہ ایسے بے ضرر شخص کو جو مسلمانوں سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر عمرے کے لیے جارہا ہو، بلاوجہ گرفتار کر لینا اور مسجد کے ستون سے باندھ دینا ناقابل فہم ہے۔"[66]

پھر لکھتے ہیں کہ:

"صحیح روایت وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ شخص جان دو عالم ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور پکڑا گیا تھا۔ یہ روایت بیہقی کی ہے اور بیہقی کا رتبہ اگرچہ بخاری و مسلم سے کم ہے تاہم اس کی بیان کردہ روایت قرین قیاس ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔ واللہ اعلم۔"[67]

## گیارہویں مثال: غزوہ بدر میں حضرت ابو قتادہ کی شرکت

حضرت ابو قتادہ ایک معروف صحابی تھے جن کا تعلق انصار کے ساتھ تھا۔ان کو نبی اکرم ﷺ نے بہترین شہسوار قرار دیا تھا اس لیے ان کا لقب "فارس رسول الله "یعنی اللہ کے رسول ﷺ کا شہسوار تھا۔ غزوہ بدر میں ان کی شمولیت سے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے کیونکہ:

- مؤرخین کا ایک طبقہ غزوہ بدر میں ان کی شمولیت کو تسلیم کرتا ہے۔[68]
- علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جناب ابو قتادہ غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے۔[69]

اس اختلاف کے بارے میں قاضی عبدالدائم لکھتے ہیں کہ:

"غزوہ بدر کے علاوہ باقی تمام غزوات کی شمولیت پر مؤرخین کا اتفاق ہے۔البتہ بدر میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین ان کو غزوہ بدر میں شامل نہیں مانتے لیکن ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ 'الاصابۃ" میں خود ابو قتادہ کی زبانی یہ روایت مذکور ہے کہ میں نے بدر کی رات رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی اور آپ ﷺ نے مجھے دعا دی کہ جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تیری حفاظت بھی فرمائے۔"[70]

### بارہویں مثال: قوم ثمود کے کھنڈرات میں مسلمانوں کا قیام

بعض مقامات پر روایات کے تعدد اور اختلاف سے قاضی عبدالدائم پریشان بھی نظر آتے ہیں۔اس ضمن میں وہ تعارض یا تضاد کو رفع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔اس کی ایک مثال غزوہ تبوک سے واپسی کے حالات کے بیان میں موجود ہے۔نبی اکرم ﷺ جب تبوک سے اپنے لشکر کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں قوم ثمود کے کھنڈرات واقع تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے وہاں قیام کیا یا نہیں؟ اس بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں کیونکہ:

- بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے وہاں قیام کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور وہاں رکے بغیر اپنا سفر جاری رکھا تھا۔[71]
- بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا۔[72]

### قاضی عبدالدائم کا موقف

اس اختلاف کی نشان دہی کرتے ہوئے قاضی عبدالدائم لکھتے ہیں کہ:

"تعجب کی بات یہ ہے کہ ان متعارض روایات کے راوی ایک ہی ہیں۔یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ شارحین حدیث اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے کوئی اطمینان بخش حل پیش نہیں کر سکے۔اس لیے میرا ذہن ابھی تک الجھا ہوا ہے۔ اگر کوئی صاحب علم رہنمائی فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔"[73]

## تیرہویں مثال: انبیاء کے حج کا نبوی مشاہدہ

حج کے سفر کے دوران نبی اکرم ﷺ نے وادی ارزق سے گزرتے ہوئے فرمایا کہ:

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کانوں میں انگلیاں ڈالے، باآواز بلند تلبیہ کہتے ہوئے اس وادی کی گھاٹی سے اتر رہے ہیں۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یونس اون کے جبے میں ملبوس، گھنگریالے بالوں والے سرخ اونٹ پر سوار ہیں اور "لبیک اللھم لبیک" کہتے ہوئے یہاں سے گزر رہے ہیں"۔[74]

صحیحین کی اس روایت کے صحیح مفہوم کی تعیین میں مسلمان علماء کا اختلاف ہے۔

- ان کے مطابق حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ جان دو عالم ﷺ نے اس سے پہلے خواب میں حضرت موسیٰ حضرت یونس علیہما السلام کو اس حالت میں دیکھا تھا۔[75] اسی منظر کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے فرمایا "گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔
- بعض محدثین نے یہ توجیہہ کی ہے کہ جن انبیاء کو آپ نے دیکھا تھا وہ روحانی طور پر فی الواقع حج کے لئے آئے ہوئے تھے، جس طرح بیت المقدس میں نماز کے لئے جمع ہوئے تھے۔[76]

## قاضی عبدالدائم کا مؤقف

قاضی صاحب کے مطابق ابن حجر کی رائے اس صورت میں درست ہوسکتی ہے، جب اس بات کا کوئی ثبوت مل جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو پہلے خواب میں دیکھا تھا، حالانکہ ان روایات میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح قاضی صاحب کے مطابق دوسری توجیہ قرین قیاس ہے مگر یہ حدیث کے الفاظ "کانی انظرُ" سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس صورت میں آپ یہ فرماتے کہ "میں انہیں دیکھ رہا ہوں"، یہ نہ فرماتے "گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں"۔ نیز عالم ارواح میں معمولی درجے کی اون سے بنے ہوئے لباس کو پہننا بھی ناقابل فہم ہے۔

کچھ محدثین نے کہا ہے کہ ماضی میں انبیاء اپنے اپنے وقت میں جو حج کرتے رہے ہیں، نبی اکرم ﷺ کو انہی مناظر کا مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے "کانی انظرُ" فرمایا ہے۔[77]

چنانچہ قاضی صاحب کا مؤقف ہے کہ:

"یہ توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کو ماضی و مستقبل کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں۔ جس طرح جانِ دو عالم ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا تھا کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آہٹ اپنے سے آگے سنی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حال کا واقعہ نہیں ہوسکتا

تھا کیونکہ حضرت بلال اس وقت دنیا میں زندہ موجود تھے؛ بلکہ بروز قیامت وقوع پذیر ہونے والی آہٹ کو آپ نے ہزاروں سال پہلے سن لیا تھا۔ بعینہ اس طرح، انبیاء نے اپنے اپنے دور میں جو حج کئے تھے، ان کا جان دو عالم ﷺ نے ہزاروں سال بعد مشاہدہ کر لیا ہو تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے!"[78]

## چودھویں مثال: قبل از وفات حضرت ابو بکر صدیق کا بطور امام تقرر

واقعات سیرت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وفات سے قبل آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تھے۔ اس وقت صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی تھی۔ اس واقعہ کے ضمن میں اختلافِ روایات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ:

- صحاح کی روایتوں میں صرف اس قدر ہے کہ آپ مسکرائے اور اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا پھر حجرہ کا پردہ گر گیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لائے۔[79]
- مسند احمد وغیرہ میں آپ کا برآمد ہونا، نماز پڑھنا اور خطبہ دینا خود حضرت انسؓ سے مروی ہے۔[80]

## قاضی عبدالدائم کا موقف

اس اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ہم نے یہ تمام روایتیں لے لی ہیں۔ دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ صحاح میں صرف ایک حصہ مروی ہے اور ان کتب میں پورا واقعہ درج ہے۔"[81]

## پندرہویں مثال: نبی اکرم ﷺ کے انتقال کی تاریخ

نبی اکرم ﷺ کی وفات کی تاریخ اسلامی تاریخی مصادر میں مختلف فیہ ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ سن وفات 11ھ اور مہینہ ربیع الاول میں تو کسی کو اختلاف نہیں تاہم ربیع الاول کی کونسی تاریخ اور کونسا دن تھا، اس بارے میں آراء مختلف ہیں۔ محمد عمر الواقدی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات پیر کے دن 12 ربیع الاول ہوئی تھی[82]۔ محمد ابن اسحاق کا قول بھی 12 ربیع الاول کا ہے۔[83]

امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث جس میں پیر کے دن کا ذکر ہے، نقل کی ہے۔[84] ابن جریر الطبری کا بھی یہی قول ہے۔[85] علامہ ابن کثیرؒ کا قول بھی یہی ہے کہ بدونِ اختلافِ اُمۃ تاریخ وفات پیر کے دن 12 ربیع الاول ہی ہے۔[86]

جبکہ ابن سعد ایک قول کے مطابق 2 ربیع الاول نقل کرتے ہیں۔ اور اس سے متصل 12 ربیع الاول کے متعدد اقوال نقل کی ہیں۔[87]

## قاضی عبدالدائم کا موقف

قاضی عبدالدائم کا موقف ہے کہ رسول اکرم ﷺ دوشنبہ کے دن 13 ربیع الاول 11 ہجری کو زوال کے بعد فوت ہوئے تھے۔اس تاریخی کی توضیح میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"محدثین اور اصحاب سیر میں آپ ﷺ کی تاریخ وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ہم اس بحث میں پڑ کر کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے۔ہم نے وہ تاریخ درج کی ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔"[88]

## سولھویں مثال: نبی اکرم ﷺ کے ابرو مبارک کی نوعیت

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک متعدد صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔اس ضمن میں سامنے آنے والی روایات میں ظاہری طور پر اختلاف نظر آتا ہے چنانچہ:

- نبی اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیلات کے ضمن میں حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہ کرام نے آپ کو مقرُونُ الحَاجِبَین'' کہا ہے۔یعنی دونوں ابرو باہم ملے ہوئے تھے۔[89]
- جبکہ حضرت ہند ابن ابی ہالہ نے آپ کے ابروؤں کو سَوابغُ مِن غَیرِ قَرَنٍ قرار دیا ہے۔یعنی تام اور مکمل تھے، لیکن ایک دوسرے سے جدا تھے۔[90]

اس طرح ظاہری طور پر روایات مختلف ہیں۔اس اختلاف کو رفع کرتے ہوئے قاضی صاحب نے تطبیقی منہج اختیار کیا ہے اور ان کا موقف ہے کہ ان متضاد روایات میں تین طریقوں سے تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے:

1. ایک یہ کہ اوائل عمر میں آپ کے ابرو جدا جدا تھے۔عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بالوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور آخر میں دونوں باہم مل گئے۔چنانچہ جنہوں نے آپ کو مقرُونُ الحَاجِبَین کہا ہے،انہوں نے عمر کے آخری حصے کی کیفیت بیان کی ہے اور جنہوں نے مِن غَیرِ قَرَنٍ کہا ہے،انہوں نے آپ کی جوانی کے زمانے کی بات کی ہے۔
2. دوسری یہ کہ آپ کے ابرو در حقیقت متصل تھے مگر ان کو ملانے والے بال اتنے پتلے اور ملائم تھے کہ عام حالات میں نظر نہیں آتے تھے۔ہاں، جب سفر وغیرہ کی وجہ سے ان پر گرد پڑ جاتی تھی تو نمایاں دکھائی دینے لگتے تھے۔گویا سفر اور گرد والے کام مثلاً جہاد وغیرہ کے دوران آپ مقرُونُ الحَاجِبَین ہوتے تھے اور عام حالات میں مِن غَیرِ قَرَنٍ۔
3. تیسری یہ کہ در حقیقت آپ کے ابرو جدا جدا تھے، مگر دور سے ملے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔چنانچہ جنہوں نے مقرُونَ الحَاجِبَین کہا ہے،انہوں نے دور سے دکھائی دینے والا منظر بیان کیا ہے اور جنہوں نے مِن غَیرِ قَرن کہا ہے،انہوں نے نزدیک سے نظر آنے والے نظارے کے بارے میں بتایا ہے۔زیادہ تر محدثین نے اسی توجیہہ کو ترجیح دی ہے۔[91]

## سترہویں مثال: نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک

نبی اکرم ﷺ کے بالوں کے بارے میں روایات میں ایک خفیف کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جان دو عالم ﷺ کے بال ساخت کے اعتبار سے نہ تو بہت گھنگریالے تھے، نہ بہت سیدھے؛ بلکہ ہلکے سے خمدار تھے۔ حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں "لارجلٌ بَسَط، وَلَاجَعْدٌقَطَط "(نہ بالکل سیدھے، نہ زیادہ خم والے۔) جب آپ کنگھی کرتے تو کنڈل کھل جاتے اور زلفیں پہلے سے لمبی دکھائی دینے لگتیں بعد میں پھر سکڑ جاتیں۔[92] اسی وجہ سے احادیث میں آپ کے بالوں کی لمبائی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض صحابہ کرام نے آپ کے بالوں کو "وفرة" قرار دیا ہے، بعض نے "لمہ" اور بعض نے "جمہ"۔ وَفرہ ان بالوں کو کہا جاتا ہے جو کانوں کی لو تک ہوں۔ لمہ وہ جو لو سے تھوڑے سے نیچے ہوں اور جمہ کندھوں تک پہنچ جانے والے بالوں کو کہا جاتا ہے۔

قاضی صاحب نے اس اختلاف کو تطبیق کے ذریعے حل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب آپ بال چھوٹے کراتے تھے تو "وفرہ" ہو جاتے تھے، جب تھوڑا سا بڑھ جاتے تھے تو "لمہ" بن جاتے تھے اور مزید دراز ہوتے تھے تو "جمہ" کہلاتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ کنگھی کرتے تھے تو لمبے ہو جاتے تھے، پھر سکڑتے رہتے تھے اور پہلے "لمہ" بنتے تھے، پھر "وفرہ" ہو جاتے تھے۔"[93]

## اٹھارہویں: مہر نبوت کی تعیین

روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پشت کی جانب بائیں کندھے پر مہر نبوت تھی جو کستوری کی طرح مہکتی تھی اور منور تھی لیکن مہر نبوت کی تعیین میں روایات اس قدر متعارض ہیں کہ ان میں تطبیق ازبس دشوار ہے۔ مقدار میں اختلاف ہے کہ:

- مسہری کی گھنڈی جتنی تھی۔[94]
- کبوتری کے انڈے جتنی تھی۔[95]
- بند مٹھی جتنی تھی، جس کے گرد مسوں کی طرح ابھرے ہوئے تل تھے۔[96]

## قاضی عبدالدائم کا موقف

ابھری ہوئی تھی یا اندر کو دھنسی ہوئی؟ اگر ابھری ہوئی تھی تو کس چیز کی بنی ہوئی تھی؟ گوشت کی یا بالوں کی؟ اس کا رنگ کیا تھا۔۔۔؟ گوشت کی ہم رنگ تھی، سیاہ تھی، سبز تھی یا سیاہی مائل زرد تھی؟ کب سے تھی؟ ولادت کے ساتھ ہی موجود تھی، شق صدر کے دوران لگائی گئی تھی، اعلان نبوت کے وقت لگائی گئی تھی، معراج کی رات لگائی گئی تھی، تینوں مواقع پر لگائی گئی تھی؟ کب تک رہی؟ وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی، یا بعد میں بھی باقی رہی تھی؟ اس میں کچھ لکھا تھا یا نہیں؟ اگر لکھا تھا تو کیا؟ قاضی صاحب ان تمام سوالات کی تحلیل میں سرگرداں نظر آتے ہیں لکھتے ہیں:

"یہ ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے کہ کوشش بسیار کے باوجود اس کا سرا ابھی تک میرے ہاتھ میں نہیں آسکا۔ محدثین اور مؤرخین نے ان روایات کو تطبیق دینے کے لئے جو توجیہات کی ہیں وہ باہم متعارض ہونے کی وجہ سے اطمینان بخش نہیں ہیں۔ مثلاً مقدار کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے علامہ قرطبیؒ نے یہ توجیہہ کی ہے کہ مہر نبوت کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جب چھوٹی ہوتی تھی تو مسہری کی گھنڈی جتنی ہو جاتی تھی اور جب بڑھنے لگتی تھی تو پہلے کبوتری کے انڈے جتنی ہوتی تھی، پھر بند مٹھی جتنی ہو جاتی تھی۔ قطع نظر اس سے کہ علامہ قرطبیؒ کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی، یہ توجیہہ شیخ عبداللہ شامی کی رائے سے معارض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوتی تھی بلکہ دیکھنے والوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق تشبیہات دی ہیں"۔ [97]

ان کا مؤقف ہے کہ ان تمام اختلافات کے پیش نظر صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہے کے بائیں کندھے پر کوئی ایسی نشانی موجود تھی جو سابقہ کتابوں میں آپ کی علامت نبوت کے طور پر مذکور تھی۔ اس سے نورانی شعاعیں پھوٹتی تھیں اور کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔ کئی صحابہ کرام نے اس کو چومنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ رہا یہ کہ وہ کتنی تھی، کیسی تھی، کب سے تھی، کب تک رہی اور اس میں کچھ لکھا تھا یا نہیں، اگر لکھا تھا تو کیا؟ تو ان سوالات کا جواب کوئی بھی قطعیت کے ساتھ نہیں دے سکتا۔ [98]

## اتنیسویں مثال: نبی اکرم ﷺ کے دل کا غسل

روایات میں ہے کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کا دل آب زم زم سے دھویا گیا تھا۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے سیرت نگاروں میں یہ بحث بھی اختلاف کا شکار ہو گئی کہ کون سا پانی زیادہ افضل ہے؟

- بعض کہتے ہیں کہ آب زمزم افضل ہے کیونکہ شب معراج کو رسول اللہ ﷺ کا دل اس سے دھویا گیا تھا۔ اگر آب کوثر افضل ہوتا تو فرشتے وہ لے کر آتے کیونکہ فرشتوں کے لئے تو دونوں پانی مہیا کرنا یکساں تھا۔ [99]
- بعض کہتے ہیں کہ آب کوثر افضل ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جبکہ آب زمزم اسمٰعیل کو عطا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو عطا کردہ تحفہ اسمٰعیل کو دیئے گئے عطیے سے بدرجہا افضل ہوگا۔ [100]

### قاضی عبدالدائم کا مؤقف

قاضی صاحب نے اس بحث کو یوں سمیٹا ہے کہ:

"فریقین کے دلائل اپنی جگہ مگر ایک اہل دل عالم نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ کائنات میں سب سے افضل پانی نہ آب زمزم ہے، نہ آب کوثر؛ بلکہ وہ پانی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی انگشتان مبارکہ سے رواں ہوا تھا اور سینکڑوں خوش نصیبوں نے اسے جی بھر کر پیا تھا۔
زہے نصیب!

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر    ندیاں پنج آب رحمت کی ہیں جاری، واہ، واہ!" [101]

## اختلافِ روایات سے صرفِ نظر

بعض مقامات پر کسی ایسے واقعہ سے متعلق روایات کو قاضی عبدالدائم نے نظرانداز بھی کیا ہے جس میں اختلاف کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔اس لیے ایسی اختلافی روایات سے صرف نظر کرنا ہی ان کو زیادہ بہتر معلوم ہوا ہے۔یہاں اس کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

## بیسویں: غزوہ بدر میں مدمقابل افراد کی تعیین

غزوہ بدر کی ابتداء میں مسلمانوں کی جانب سے تین مجاہد حضرت حمزہ، عبیدہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میدان میں نکلے اور ان کے مقابلے میں مشرکین کے بھی تین لوگ عتبہ، شیبہ اور ولید سامنے آئے تھے۔[102] اس وقت میدان میں اترتے وقت گرد و غبار سے بچنے کے لیے عرب اپنے عمامے کے شملے سے ناک اور منہ ڈھانپ لیا کرتے تھے اس لیے ایک دوسرے کو پہچان نہیں پاتے تھے۔لہذا انھوں نے پہلے ایک دوسرے کے نام پوچھے اور پھر مقابلہ شروع ہوا تھا۔ اس مقابلے میں کون کس کے مقابل تھا؟ اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔[103]

قاضی صاحب نے اختلاف کی نشاندہی تو کردی ہے لیکن اس کی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی تفصیلات پیش کی ہیں۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ ہم نے ان روایات کے اختلاف کو حل کرنے کے لیے تگ ودو کی ہے لیکن:

"ہم کوشش کے باوجود کسی رائے کو ترجیح نہ دے سکے اس لیے اس سے صرفِ نظر کرلیا ہے۔"[104]

## اکیسویں: ریحانہ کے ساتھ نبی ﷺ کا نکاح

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ بنو قریظہ کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد جب کیفرِ کردار تک پہنچایا جارہا تھا تب ان میں سے ایک خاتون ریحانہ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ قبول اسلام کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور پھر اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔[105] قاضی عبدالدائم اس ضمن میں اپنے طور پر ان روایات کو تلاش کرتے ہیں لیکن کسی منطقی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔اس لیے انھوں نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ:

"اگرچہ یہ واقعہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے۔نہ ہی حضرت ریحانہ ام المومنین کے طور پر معروف ہیں تاہم اگر یہ واقعہ ہوا ہے تو حضرت ریحانہ کی خوش بختی میں کوئی کلام نہیں ہے۔رضی اللہ عنہا۔"[106]

مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق ریحانہ کے بارے میں ابن سعد نے دو روایات پیش کی ہیں:

پہلی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تھا اور اس کے بعد انہیں ام المنذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے قیام میں ٹھہرایا تھا۔[107]

دوسری روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ حضرت ریحانہ کی بہت عزت کرتے تھے۔آپ ﷺ ان کے پاس دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے اور ان کی ہر خواہش کو پوری کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ اپنے قبیلے بنو قریظہ کی معافی طلب کرتیں تو میں وہ بھی دے دیتا۔اس پر حضرت ریحانہ نے عرض کی کہ کاش! بنو قریظہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی میں آپ ﷺ کے نکاح میں آجاتی۔[108]

## بائیسویں: معراج جسمانی یا خواب؟

نبی اکرم ﷺ کو معراج جسمانی طور پر کروائی گئی تھی یا آپ ﷺ کو نیند میں یہ مناظر دکھائے گئے تھے؟ یہ موضوع مسلمان علماء کے درمیان اختلافی ہے۔

- ایک طبقہ جسمانی معراج کا قائل ہے۔[109]
- دوسرے طبقے کے ہاں اس کو خواب کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔[110]

قاضی عبد الدائم نے اس فکری نزع کی دو وجوہات بتائی ہیں۔ پہلی وجہ معراج کی روایات میں اختلاف ہے جب کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان علماء کے ایک طبقے میں یونانی فلسفیوں کے افکار کے گہرے اثرات مرتب ہو چکے ہیں جن کی بنا پر وہ جسمانی معراج کو ایک ناقابل یقین بات سمجھتے ہیں۔[111] لیکن عصر حاضر میں جسمانی معراج کے نظریے کو سائنسی ایجادات نے تقویت دے دی ہے کیونکہ اب انسان نے چاند پر اترنے کے علاوہ راکٹوں کے ذریعے دوسرے جہانوں کی تلاش شروع کر رکھی ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ ہو جائے تو وہ زمانے کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر کوئی ایسا طیارہ فرض کر لیا جائے جس کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ ہو تو اس پر بیٹھا ہوا شخص زمانے کی حد بندیوں سے آزاد ہو جائے گا اور اس رفتار سے اگر وہ سو سال کا سفر بھی کر لے، جب واپس آئے گا تو یہاں زمین پر وہی وقت ہو گا جس میں وہ روانہ ہوا تھا۔ لہذا نبی اکرم ﷺ نے براق پر جو سفر کیا تھا، وہ اسی نظریے کی روشنی میں سمجھا جائے تو جسمانی معراج اور وقت والا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔[112]

قاضی صاحب نے جسمانی معراج اور خواب میں معراج کے قائلین کے دلائل کو بحث کا حصہ نہیں بنایا ہے کیونکہ ان کا موقف ہے کہ:

> "سائنس کی ترقی و فروغ نے معراج جسمانی جیسے ایمانی حقائق کو اس طرح واضح اور مبرہن کر دیا کہ اب جسمانی و روحانی کی بحثیں بچگانہ ہی نظر آتی ہیں۔ لیکن اتنا بتا دینا فائدے سے خالی نہیں ہو گا کہ صحابہ کرام کی عظیم اکثریت اور جمہور امت اگرچہ معراج جسمانی کے قائل ہیں؛ تاہم بعض صحابہ اور بزرگانِ دین سے معراج روحانی کی روایات بھی منقول ہیں۔ ہمارے نزدیک نہ تو معراج جسمانی ماننے سے کوئی الجھن و اشکال پیدا ہوتا ہے، نہ روحانی تسلیم کرنے سے جان دو عالم ﷺ کی شان رفیع میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہو گا جس میں ہر چیز اپنی اصلی حالت میں نظر آتی ہے۔ نہ کہ اس طرح کا خواب جس میں دکھائی کچھ اور دیتا ہے اور تعبیر کچھ اور ہوتی ہے، اور چند لحوں میں عرش سے فرش تک پوری کائنات کا ایسا صحیح درست اور عین الیقین مشاہدہ کر لینا بھی کچھ کم رفعت و عظمت نہیں ہے؛ تاہم یہ نظریہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ بہر حال ہم ایسی تمام بحثوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اصل واقعے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"[113]

واقعہ کی تفصیلات میں جہاں براق کا ذکر آیا ہے وہاں قاضی صاحب نے اس کو کسی فلسفیانہ یا سائنسی تعبیر کا حصہ نہیں بنایا ہے بلکہ وہ دو ٹوک انداز میں لکھتے ہیں کہ

اس براق کی حقیقت و نوعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کو ہی معلوم ہے یا جبریل امین کو اس کی حقیقت کا علم ہو سکتا ہے۔ البتہ بظاہر اس کی صورت چوپائے سے ملتی جلتی تھی۔ گدھے سے ذرا بڑا اور خچر سے قدرے چھوٹا تھا۔ رنگ چمکدار اور سفید تھا اور پہلوؤں میں دو پر تھے۔ تیز اس قدر تھا کہ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی تھی، وہاں تک ایک گام میں پہنچ جاتا تھا۔ شاید اسی لئے اس کو "براق" کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ براق برق سے مشتق ہے۔ برق بجلی کو کہتے ہیں اور علماء عربیت نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ حروف کا اضافہ کبھی مبالغے کا فائدہ دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ برق میں ایک الف کا اضافہ یہی بتانے کے لئے کیا گیا ہو کہ اس کی رفتار برق سے بدرجہا زیادہ تھی۔[114]

## نتائج بحث

سید الوریٰ میں قاضی عبد الدائم نے روایاتِ سیرت کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ان کے اختلافی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس لیے جن واقعات سے متعلق روایات میں باہمی تعارض و تضاد محسوس ہوتا ہے ان میں قاضی صاحب نے تطبیق یا ترجیح کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے مؤقف کو پیش کیا ہے۔ قاضی عبد الدائم نے اس ضمن میں سید الوریٰ کی تینوں جلدوں میں تقریباً بائیس مقامات پر نبی اکرم ﷺ کی سیرت و سوانح کے بیان میں اختلافات کو بیان کیا ہے جو ان کی وسعت مطالعہ اور فہمِ سیرت کے روایتی اور درایتی شعور کی عکاسی و غمازی کرتے ہیں۔ انھوں نے اختلافِ روایات کے ضمن میں صرف ان واقعات کو بحث کا حصہ بنایا ہے جو کسی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ جہاں اختلاف کی نوعیت عمومی یا غیر مؤثر ہو وہاں وہ صرف نظر کر کے آگے گزر جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ واقعاتِ سیرت میں اختلافی نوعیت کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لیے اصول روایت اور اصول درایت کی رو سے ان کو پرکھا جائے اور ان میں صحیح و ضعیف کی نشاندہی کی جائے۔ یہ ایک طویل المیعاد اور سخت محنت کا متقاضی منصوبہ ہے اس لیے وطن عزیز کے ساتھ ساتھ مسلمان دنیا کے تمام تعلیمی اداروں کو اس کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔

## حوالہ جات

[1] القرآن، الاحزاب: 21
Al-qu'rān, aI- aḥzāb:21

[2] زین الدین عراقی، الفیۃ السیرۃ النبویۃ، دار المنہاج، بیروت، (1426ھ)، ص 29
Zain al-Dīn ʻIraqi, Alfīyah al-Sīrah an-Nabawiyyah, Dār al-Minḥāj, Bayrūt, 1426h, 29

[3] عبدالدائم دائمؔ، قاضی، سید الوریٰ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 2012ء، ج 3، ص 146
ʻAbdul Daim, Qāżī,Syēd ul Wara, ʻIlim-o- ʻIrfān Pūblīsher, Lāḥore,2012,3/146

[4] ابن ھشام، عبدالملک (م۔213ھ)، السیرۃ النبویۃ، شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ البابی، مصر، 1375ھ، ج 1، ص: 109
Ibn Hishām, ʻAbd al-Malik, As- Sīrah an-Nabawiyyah, Shirkah Maktabah wa Maṭbåtah, Miṣr,1375h,1/109

[5] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد (م۔230ھ)، کتاب الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1410ھ، ج 1، ص: 74
Ibn Saʻd, Abū ʻAbd Allāh Muḥammad, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr, Dār al-ʻIlimīah, Bayrūt,1410h,1/74

[6] السہیلی، ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ (م۔581ھ)، الروض الانف، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ، ج 2، ص: 90
Al-Suhaylī, Abū al-Qâsim Abdurrahmân Ibn ʻAbd Allāh, Al-Rawḍ-Unuf, Dar al-Iḥya' al-turāth al-ʻArabī, Bayrūt,1421h,2/90

[7] عبدالدائم، سید الوریٰ، ج 1، ص 48، 49
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/48,49

[8] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص: 137
Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/137

[9] ابن ھشام،السیرۃالنبویۃ،ج1،ص:155
Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/155

[10] شبلی، نعمانی، سیرت النبی،الفیصل ناشران،لاہور،2005ء،ج1،ص:126
Shiblī, Nu,ʻmānī, Sīrah an-Nabai, Al-Faisāl Nashirān, Lāḥore, 2005,1/126

[11] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص:128
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/128

[12] ابن ھشام،السیرۃالنبویۃ،ج1،164
Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/164

[13] ابن سعد،کتاب الطبقات الکبریٰ،ج1،ص:90
Ibn Sa'd, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr,1/90

[14] ابو نعیم،احمد بن عبداللہ الاصبھانی(م۔430ھ)،دلائل النبوۃ،دارالنفائس،بیروت،1406ھ،رقم:97،ص:159
Abū-Nuʿaim, Aḥmad Ibn-ʿAbdallāh al-Iṣbahānī, Dalā'il al-Nubūwwah, Dār Al-Nafā'is, Bayrūt,1406h,97,159

[15] الفالوذۃ،ابوابراہیم محمد الیاس،الموسوعۃ فی صحیح السیرۃ النبویۃ، مطابع الصفا،مکۃ،1423ھ،ص:140
Al-Fālūdhawah, Abū Aibrāhīm Muḥammad Alayās, al-Muausuau'ah fī Ṣaḥīḥ Al-Sīrah Al- Nabūwwah, Al-Ṣafā, Makah,1423h,140

[16] الساعاتی،احمد عبدالرحمن البنا،الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل،داراحیاء التراث ،بیروت،س ن،ج20،ص:195
Al-Sā'atī, Aḥmad Abdurrahmân al-bannā, Al-Fatiḥ Al-Rabbāni li-tartīb musnad Aḥmad ibn Ḥanbal, Dar al-Iḥya' al-turāth, Bayrūt,20/195

[17] الذھبی،ابوعبداللہ شمس الدین(م۔748ھ)،سیر اعلام النبلاء،مؤسسۃ الرسالۃ،1405ھ،ج1،ص:53
Adh-Dhahabī, Abū ʿAbdallāh Shams al-Dīn, Sīr Al-A'lām Al-Nublā', Maw'sasah Al-Risāla'ah,1405h,1/53

[18] مہدی، رزق اللہ، سیرت نبوی، دارالعلم، ممبئی،2012ء،ج1،ص:177
Mahdi, Rizq-Ullāh, Sīrah an-Nabai, Dar al-'līm, Mumb'ai,2012,1/177

[19] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص:121
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/121

[20] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص:121
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/121

[21] ابو نعیم،دلائل النبوۃ،ص:159
Abū-Nuʿaim, Dalā'il al-Nubūwwah, 159

[22] مسلم،بن الحجاج القشیری(م۔261ھ)،الصحیح مسلم،داراحیاءالتراث العربی،بیروت،س ن،رقم الحدیث:261
Muslim, Bin Al-Ḥijjāj Al-Qashairī, Al-Ṣaḥīḥ Muslim, Dar al-Iḥya' al-turāth al-'Arabī, Bayrūt,Hadith:261

[23] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص120
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/120

[24] القسطلانی،احمد بن محمد(م۔923ھ)،المواھب اللدنیۃ،المکتبۃ التوفیقیۃ،القاھرہ،مصر،س ن،ج1،ص:41
Al-Qasṭallānī, Aḥmad bin Muḥammad, Al-Muwāhib Al-Ladunniyyah, Al-Maktabah Al-Tuwfīqiyyah, Al-Qāhirah, Miṣar, 1/41

السیوطی،جلال الدین عبدالرحمن(م۔911ھ)،الخصائص الکبریٰ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،س ن،ج1،ص:7
Al-suyuṭī, Jalāl Al-Dīn Abdurrahmân, Al-Khaṣā'iṣ Al-Kubra, Dār al-'Ilimīah, Bayrūt, 1/7

[25] ابن اسحاق،محمد بن یسار(م۔151ھ)،سیرۃ ابن اسحاق،دارالفکر،بیروت،1398ھ،ص:120
Ibn ʾIsḥāq Muḥammad Bin Yasār, Sīrah Ibn ʾIsḥāq, Dar Al-Fikar, Bayrūt,1398h, 120

السہیلی،الروض الانف،ج2،ص:250
Al-Suhaylī, Al-Rawḍ-Unuf ,2/250

[26] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص:222
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/222

[27] بعض محدثین نے اس روایت کو کلبی کے حوالے سے نقل کیا ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح أبی داؤد میں ذکر کیا ہے۔(العینی،ابو محمد بدرالدین(م۔855ھ)،شرح سنن ابی داؤد،مکتبۃ الرشد،الریاض، 1420ھ،ج3،ص:360)لیکن اکثر محدثین نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ پسند نہیں کی بلکہ بعض نے اس کو موضوع کہا ہے۔

Some hadith scholars have transmitted this narration with reference to Kulabi, as mentioned by Allama Badr al-Din Ayni in his commentary on Sunan Abi Dawood. (Al-Ayni, Abu Muhammad Badr al-Din (d. 855 AH), Sharh Sunan Abi Dawood, Maktabat al-Rushd, Riyadh, 1420 AH, Vol. 3, p. 360). However, most hadith scholars have not preferred this narration with those words; rather, some have called it fabricated.

[28] عبدالدائم،سیدالوری،ج1،ص:159
ʻAbdul Daim,Syēd ul Wara,1/159

[29] ابن حجر،احمد ابن علی العسقلانی، فتح الباری،دارالمعرفۃ،1379ھ،ج ١،ص:9،وقال:رواہ ابو نعیم فی الدلائل باسناد حسن عن علقمہ بن قیس
Ibn Ḥajar, Aḥmad Ibn-'Alī Al-ʾAsqalānī, Fateḥ Al-Bārī, Dar Al-Ma'aarifah,1379h,1/9

[30] البخاری، محمد بن اسماعیل(م۔256ھ)الصحیح البخاری،دار طوق النجاۃ،مصر،1422ھ،رقم الحدیث:4953
Al-Bukhārī, Muḥammad Bin Ismā'īl, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī, Dar-Ṭawq al-Najjā'ah,Miṣar,Hadith:4953

[31] البخاری،الصحیح البخاری،رقم الحدیث:6990
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī, Hadith:6990

[32] مالک،ابن انس المدنی(م۔179ھ)،الموطأ،مؤسسۃ زاید بن سلطان ال نھیان،ابوظبی،1425ھ،رقم الحدیث:3514
Mālik, Ibn Anas Al-Madnī, Al-Muwṭ'ta', Maw'sasah Zā'ayd Bin Sulṭān Al-Niḥiyyān, Abu-Ẓabbī, 1425h, Hadith:3514

[33] النووی،ابوزکریا یحیی بن شرف(م۔676ھ)،شرح صحیح مسلم،داراحیاء التراث العربی،بیروت،1392ھ،ج15،ص:21
Al-Nawawī, Abū Zakariyyā Yaḥyā ibn Sharaf, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim, Dar al-Iḥya' al-turāth al-'Arabī, Bayrūt, 1392h,15/21

[34] غالباً قاضی عبدالدائم نے یہ مؤقف امام سہیلی سے اخذ کیا ہے۔ دیکھیے: الروض الانف، ج 1، ص 403

Most probably, Qazi Abdul Da'im derived this position from Imam Sahli. See: Al-Rawd al-Anif, Vol. 1, p. 403.

[35] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص: 236 — Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/236

[36] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 233 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/233

[37] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص: 238 — Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/238

[38] حمید اللہ، محمد، محمد رسول اللہ، بیکن بکس، اردو بازار، لاہور، 2013ء، ص: 37 — Ḥamīdullāh, Muḥammad, Muḥammad Rasulullāh, Baikan Books Urdō Bāzār, Lāhore,2013,37

[39] السہیلی، الروض الانف، ج 2، ص: 158 — Al-Suhaylī, Al-Rawḍ-Unuf, 2/158

[40] ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق، ص: 237 — Ibn ʾIsḥāq, Sīrah Ibn ʾIsḥāq,237

[41] ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق، ص: 238 — Ibn ʾIsḥāq, Sīrah Ibn ʾIsḥāq,238

[42] ابن حجر، فتح الباری، ج 7، ص: 195 — Ibn Ḥajar, Fateḥ Al-Bārī,7/195

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م۔ 774ھ)، البدایۃ والنھایۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1408ھ، ج 3، ص: 154

Ibn Kathīr, Ismā‘īl ibn ‘Umar, Al-Bidāya wan Nihāya, Dar al-Iḥya' al-turāth al-‘Arabī, Bayrūt,1408h,3/154

[43] ابوداؤد، سلیمان ابن الاشعث (م۔ 275ھ)، سنن ابی داؤد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، س ن، رقم الحدیث: 3214

Abū Dāwūd,Sulaymān Ibn al-Ash‘ath,Sunan Abī Dāwūd, Al-Maktabah Al-‘Aṣriyyah, Bayrūt,Hadith:3214

[44] ابن ابی شیبۃ، ابو بکر عبداللہ (م۔ 235ھ)، مصنف ابن ابی شیبۃ، مکتبۃ الرشد، ریاض، 1409ھ، رقم الحدیث: 34158

Ibn Abī Shaybah, Abū Bakr ʿAbd Allāh, Muṣannaf Ibn Abī Shaybah, Maktabah Al-Rusid,Riyyāḍ, 1409h,Hadith:34158

[45] مسلم، الصحیح مسلم، رقم الحدیث: 362 — Muslim, Al-Ṣaḥīḥ Muslim,Hadith:362

[46] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص، 256,257 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/256,257

[47] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص، 258 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/258

[48] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص، 258 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/258

[49] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص: 494 — Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/494

[50] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث: 3906 — Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:3906

[51] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص، 319 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/319

[52] القرآن، البقرہ: 142،143،144 — Al-qu'rān, al-baqrah:142,143,144

[53] النسائی، ابوعبدالرحمن احمد ابن شعیب (م۔ 303ھ)، السنن النسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، 1406ھ، رقم الحدیث: 742

Al-Nasāʾī, Abū ʿAbd al-Raḥmān Aḥmad ibn Shuʿayb, Sunan al-Nasāʾī, Maktab Al-Maṭbuaw‘āt Al-ʾIslāmiyyah, Ḥalab,1406h,Hadith:742

[54] البخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث: 4486 — Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:4486

مسلم، الصحیح مسلم، رقم الحدیث: 525 — Muslim, Al-Ṣaḥīḥ Muslim,Hadith:525

[55] ابن سعد، کتاب الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص: 186 — Ibn Sa‘d, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr,1/186

[56] النسائی، السنن النسائی، رقم الحدیث: 742 — Al-Nasāʾī, Sunan al-Nasāʾī, Hadith:742

[57] البخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث: 4486 — Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:4486

مسلم، الصحیح مسلم، رقم الحدیث: 525 — Muslim, Al-Ṣaḥīḥ Muslim,Hadith:525

[58] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 355 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/355

[59] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 356 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/356

[60] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 357 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/357

[61] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 357 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/357

[62] عبدالدائم، سید الوری، ج 1، ص: 357،358 — ‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/357,358

[63] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث: 4486 — Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:4486

[64] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج1، ص358
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/358

[65] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث:462
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:462

[66] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:149
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/149

[67] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:149
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/149

[68] ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف (م۔463ھ)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، 1412ھ، ج4، ص:1731
Ibn ʿAbd al-Barr, Abū ʿUmar Yūsuf, Al-Isti'ab fi ma'rifat Al-aṣhab,Dar Al-Jayil , Bayrūt,1412h,4/1731

[69] ابن حجر، احمد ابن علی العسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ، ج7، ص:272
Ibn Ḥajar, Aḥmad Ibn-'Alī Al-'Asqalānī, Al-Iṣābah fī Tamyīz al-Ṣahābah, Dar Al-kutub Al-'Iliyyah, Bayrūt,1415h, 7/272

[70] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص162
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/162

[71] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث:4419
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:4419

[72] الساعاتی، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:5984
Al-Sā'atī, Al-Fatiḥ Al-Rabbāni li-tartīb musnad Aḥmad ibn Ḥanbal, Hadith:5984

[73] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص341،340
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/340,341

[74] مسلم، الصحیح مسلم، رقم الحدیث:268
Muslim, Al-Ṣaḥīḥ Muslim,Hadith:268

البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث:1555
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:1555

[75] ابن حجر، فتح الباری، ج6، ص:487
Ibn Ḥajar, Fateḥ Al-Bārī,6/487

[76] النووی، شرح صحیح مسلم، ج2، ص:228
Al-Nawawī, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim,2/228

[77] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:390
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/390

[78] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:390
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/390

[79] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث:681
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:681

مسلم، الصحیح مسلم، رقم الحدیث:98
Muslim, Al-Ṣaḥīḥ Muslim,Hadith:98

[80] الساعاتی، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:13028
Al-Sā'atī, Al-Fatiḥ Al-Rabbāni li-tartīb musnad Aḥmad ibn Ḥanbal, Hadith:13028

السہیلی، الروض الانف، ج7، ص:577
Al-Suhaylī, Al-Rawḍ-Unuf ,7/577

[81] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:479
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/479

[82] الواقدی، ابوعبداللہ محمد ابن عمر (م۔207ھ)، مغازی الواقدی، دار الاعلمی، بیروت، 1409ھ، ج1، ص:7
Al-Wāqidi, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn ʿUmar,Maghāzī Al-Wāqidi, Dar Al-'Ilmī, Bayrūt,1409h,1/7

[83] ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق، ص:131
Ibn 'Isḥāq, Sīrah Ibn 'Isḥāq,131

[84] البخاری، الصحیح بخاری، رقم الحدیث:1387
Al-Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ AL-Bukhārī,Hadith:1387

[85] ابن جریر، ابوجعفر محمد الطبری (م۔310ھ)، تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج3، ص:200
Ibn Jarīr, Abū Jaʿfar Muḥammad al-Ṭabarī, Tāraikh Al-Ṭabarī, Dar al-turāth, Bayrūt, 1387h, 3/200

[86] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج5، ص:275
Ibn Kathīr, Al-Bidāya wan Nihāya, 5/275

[87] ابن سعد، کتاب الطبقات الکبریٰ، ج2، ص:208
Ibn Sa'd, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr,2/208

[88] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:486
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/386

[89] الحاکم، ابوعبداللہ محمد النیشاپوری (م۔405ھ)، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ، رقم الحدیث:5484
Al-Ḥākim, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad Al-Naishāpawrī, Al-Mustadrak 'ala Al-Sahihayn, Dar Al-kutub Al-'Iliyyah, Bayrūt,1411h, Hadith:5484

ابن سیدالناس، محمد بن محمد (م۔734ھ)، عیون الاثر، دار القلم، بیروت، 1414ھ، ج1، ص:48
Ibn Sayyid al-Nās, Muḥammad bin Muḥammad, 'Uyun Al-Athar, Dar Al-Qalam, Bayrūt, 1414h, 1/48

[90] البغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود (م۔516ھ)، شرح السنۃ للبغوی، المکتب الاسلامی، دمشق، 1403ھ، ج13، ص:267
Al-Baghawī, Abū Muḥammad al-Ḥusayn bin Mas'ūd, Sharḥ al-Sunnah Al-Baghawī, Al-Maktab Al-'Islāmī, Dimašq, 1403h, 13/267

[91] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:36
'Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/36

[92]القسطلانی، المواہب اللدنیہ، ج2، ص:76
Al-Qasṭallānī, Al-Muwāhib Al-Ladunniyyah, 2/76

[93]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص77
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/77

[94]ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج1، ص:182
Ibn Hishām, As- Sīrah an-Nabawiyyah, 1/182

[95]الترمذی، محمد بن عیسیٰ (م۔279ھ)، الشمائل المحمدیۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ن، رقم الحدیث:16، ص:29
Al-Tirmidhī, Muḥammad ibn ʿĪsā, Al-Shamāʾil Al-Muḥammadiyya, Dar al-Iḥya' al-turāth al-‘Arabī, Bayrūt, Hadith:16,p:29

[96]الترمذی، الشمائل المحمدیۃ، رقم الحدیث:22، ص:32
Al-Tirmidhī, Al-Shamāʾil Al-Muḥammadiyya,Hadith:22,p:32

[97]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:89
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/89

[98] عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص88،89
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/88,89

[99] الفاسی، ابوالطیب محمد بن احمد (م۔832ھ)، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، دارالکتب العلمیۃ، 1421ھ، ج1، ص:335
Al-Fāsī, Muḥammad bin Aḥmad, Shifā’ Al-gharām Bi-akhbār Al-Balad Al-Ḥarām, Dar Al-kutub Al-‘Iliyyah, Bayrūt, 1421h, 1/335

[100]ملتقی أھل الحدیث، أرشیف ملتقی أھل الحدیث-1، مکتبۃ مدرسۃ الفقاھۃ، المحرم 1432ھ، ج48، ص:309
Multaqa Ahl Al-Ḥadith, Arshiyyif Multaqa Ahl Al-Ḥadith-1, Maktabah Madrasah Al-Fiqāhah, Al-Muḥram, 1432h,48/309

[101]عبدالدائم، سیدالوری، ج3، ص258
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/258

[102]الواقدی، مغازی الواقدی، ج1، ص:69
Al-Wāqidi,Maghāzī Al-Wāqidi,1/69

[103]عمرالواقدیؒ کے بیان کے مطابق ولید بن عتبہ کے مقابلے میں حضرت علیؓ، عتبہ بن ربیعہ کے مقابلے میں حضرت حمزہؓ اور شیبۃ بن ربیعہ کے مقابلے میں عبیدۃ بن الحارثؓ نکلے۔(الواقدی، مغازی الواقدی، ج1، ص: 69)ابن حزم الظاہریؒ نے جوامع السیرۃ میں جو ترتیب ذکر کی ہے، اس کے مطابق عتبۃ کے مقابلے میں عبیدۃ بن الحارثؓ اور شیبۃ بن ربیعہ کے مقابلے میں حمزہؓ اور ولید بن عتبۃ کے مقابلے میں حضرت علیؓ نکلے تھے۔(ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد القرطبی الظاہری(م۔456ھ)، جوامع السیرۃ النبویۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، س ن، ص:86)علامہ سہیلیؒ نے جو ترتیب نقل کی ہے اس کے مطابق عبیدۃ بن الحارثؓ نے عتبۃ بن ربیعہ کا مقابلہ کیا، حمزہؓ نے شیبۃ بن ربیعہ کا مقابلہ کیا اور علیؓ ولید بن عتبہ کے مقابلے میں آئے۔(السہیلی، الروض الانف، ج5، ص:82)علامہ برہان الدین حلبیؒ نے بھی یہی ترتیب ذکر کی ہے۔(حلبی، ابوالفرج برہان الدین(1044ھ)، السیرۃ الحلبیۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1427ھ، ج2، ص:219)

Umar al-Waqidi, Walid bin 'Utba was pitted against Hazrat Ali (RA), 'Atba bin Rabi'ah against Hazrat Hamza (RA), and Shaybah bin Rabi'ah against 'Ubaidah bin al-Harith (RA). (Al-Waqidi, Maghazi al-Waqidi, Vol. 1, p. 69). Ibn Hazm al-Zahiri arranged it differently in Al-Jawami' al-Sirah, stating that 'Ubaidah bin al-Harith (RA) was against 'Atba, Hazrat Hamza (RA) against Shaybah, and Hazrat Ali (RA) against Walid bin 'Utba (Ibn Hazm, Abu Muhammad Ali bin Ahmad al-Qurtubi al-Zahiri, Jawami' al-Sirah al-Nabawiyyah, Dar al-Kutub al-Ilmiyah, Beirut, n.d., p. 86). Allama Sahli arranged it such that 'Ubaidah bin al-Harith (RA) faced 'Atba bin Rabi'ah, Hazrat Hamza (RA) faced Shaybah bin Rabi'ah, and Hazrat Ali (RA) faced Walid bin 'Utba (Al-Sahli, Al-Rawd al-Anif, Vol. 5, p. 82). Allama Burhan al-Din Halabi also recorded the same order (Halabi, Abu al-Faraj Burhan al-Din, Al-Sirah al-Halabiyyah, Dar al-Kutub al-Ilmiyah, Beirut, 1427 AH, Vol. 2, p. 219).

[104]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج1، ص:411
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,1/411

[105]الواقدی، مغازی الواقدی، ج2، ص:520
Al-Wāqidi,Maghāzī Al-Wāqidi,2/520

[106]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج2، ص:148
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,2/148

[107]ابن سعد، کتاب الطبقات الکبریٰ، ج8، ص:102
Ibn Sa‘d, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr,8/102

[108]ابن سعد، کتاب الطبقات الکبریٰ، ج8، ص:103
Ibn Sa‘d, Kitāb al-Ṭabaqāt al-Kubīr,8/103

[109]النووی، شرح صحیح مسلم، ج2، ص:209
Al-Nawawī, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim,2/209

[110]کشمیری، محمد انور شاہ (م۔1353ھ)، العرف الشذی شرح سنن الترمذی، دارالتراث العربی، بیروت، 1425ھ، ج4، ص:260
Kashmirī, Muḥammad Anwar Shah, Al-‘Arf al-Shazī sharḥ Sunan Al-Tirmidhī, Dar al-turāth al-‘Arabī, Bayrūt,1425h, 4/260

[111]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:254
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/254

[112]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:255
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/255

[113]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:256
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/256

[114]عبدالدائم، سیدالوریٰ، ج3، ص:259
‘Abdul Daim,Syēd ul Wara,3/259